جہاں تک کسی کے مجبور ہونے کا تعلق ہے تو اضطراری واقعات کی ٹوہ میں نہیں پڑنا چاہیے نہ ہی اضطرار میں مبتلا شخص کو اپنے گناہ کا افشا کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص اضطرار کے دعویٰ کے ساتھ کسی محکمہ کو رشوت دیتا ہے تو اسے تنبیہ کرنا چاہیے اور اس پر واضح کر دینا چاہیے کہ جماعت کے ارکان فقہا کی طرف سے دی گئی رخصتوں سے فائدے نہیں اٹھاتے بلکہ عزیمت کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ آپ ہرگز کسی رکن کو اس کی اجازت نہ دیں کہ وہ رشوتیں دے کر اپنے کام نکالے۔ لیکن اگر کسی سے جرم ہو گیا ہو اور آپ کے سامنے کیس آگیا ہو، تو ایسی صورت میں فیصلہ فقہا کے فتویٰ کی روشنی میں کیا جائے گا۔ ایسے شخص کو توبہ و استغفار کی تلقین کے ساتھ کچھ روزے رکھوا دیے جائیں اور صدقہ دینے کی ہدایت کر دی جائے، لیکن اس کی رکنیت باقی رکھی جائے۔ (عبدالمالک)

فروعی اور اختلافی مسائل میں راہ صواب

عورتوں سے متعلق ۲۰۰ سے زائد روز مرہ کے معاشرتی مسائل --- مثلاً دیور اور بہنوئی کے ساتھ سفر، کالج کے ملازمین سے پردہ، رخصتی سے قبل شوہر سے خط و کتابت، بیوٹی کورس، تنہا سفر، مشترک خاندان میں الگ گھر کا مطالبہ وغیرہ --- پر مشتمل ایک سوالنامہ مولانا عبدالحق، امیر جماعت اسلامی بلوچستان، کو بھیجا گیا۔ انھوں نے اپنے "ہاں یا نہیں" کے مختصر جوابات کے ساتھ تمہیداً چند اہم اصول بھی بیان کیے ہیں جنھیں مدنظر رکھنا تفرقہ، غلو اور انتہا پسندی سے بچنے میں مدد دے سکتا ہے (مدیر)۔

ان سوالات کے جواب میں کچھ عرض کرنے سے پیشتر چند امور کی طرف توجہ دلانا مناسب رہے گا۔

۱۔ اگر اس قسم کے سوالات پوچھنے سے مقصود ان مجوزہ مسائل کے علمی دلائل کی جستجو اور تحقیق ہے، تو فتاویٰ کی ایک نئی کتاب تصنیف کرانے کے بجائے پہلے سے موجود فقہ و فتاویٰ کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے۔ یہ تمام زبانوں میں دستیاب ہیں۔ اور اگر ذاتی عمل کی حد تک رہنمائی لینا مقصود ہے، تو اپنے مسلک کے کسی معتمد عالم دین کا جواب آپ کے لیے بہتر اطمینان کا سبب بن سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنے کثیر سوالات کا جواب صرف "ہاں" یا "نہیں" میں دیا جا سکتا ہے، جو ہر اہلِ علم اپنے مسلک اور علم و دانست کی روشنی میں دے گا۔

۲۔ جماعت اسلامی کسی ایک فقہی مسلک اور کلامی مکتبہ فکر تک محدود نہیں، ایک عمومی اسلامی تحریک ہے۔ کسی بھی ایسی ہمہ گیر تحریک میں مختلف مکاتبِ فکر اور فقہی مسالک سے وابستہ افراد، اپنے اپنے مکاتب فکر اور فقہی مسالک پر قائم رہتے ہوئے، کتاب و سنت کے مسلمات کی روشنی میں طے شدہ امور اور امتِ مسلمہ کے اجتماعی مسائل پر اتفاق کر کے، شامل ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا مودودیؒ نے جماعت اسلامی کے لیے کبھی کوئی فقہی مسلک متعین نہیں فرمایا۔ لوگ ان سے مختلف مسائل دریافت

کرتے ' اور مولانا حسب ضرورت تمام تر معروف مذاہب بیان فرما دیتے ' اور آخر میں اپنی ترجیح کا اظہار بھی ہوتا۔ لیکن اپنی تحقیق کے نتیجے میں ترجیح یافتہ رائے کو جماعت اسلامی کا مسلک قرار نہ دیتے۔ اور یہی طریقہ ائمہ سلف کا رہا ہے۔ امام مالک ؒ سے جب ان کی موطا کو سرکاری دستور العمل بنانے کے لیے پوچھا گیا' تو انھوں نے سختی سے ممانعت کر دی۔ حالانکہ موطا امام مالک کی فقہی آرا کا مجموعہ نہیں 'بلکہ صحیح ترین احادیث و آثار کا ذخیرہ ہے' جس کو بعض ائمہ حدیث کے نزدیک صحیح بخاری پر ترجیح حاصل ہے۔

اسی طریقہ کار اور وسعت فکر و نظر کی آزادی نے جماعت اسلامی میں یہ وسعت پیدا کر دی کہ مختلف مکاتب فکر اور فقہی مسالک سے وابستہ حضرات اس میں شامل ہونے لگے ' زندانیان مکاتب و مسالک کی ایک معقول تعداد تنگ فکری دائروں سے نکل کر اسلام کی وسیع شاہراہ پر گامزن ہونے لگی ' دین و سیاست کے مابین دیواروں کی نظریاتی حیثیت کم ہونے لگی۔ فکر و نظر کی یہی کشادگی اس تحریک کی نمایاں خصوصیات میں سرفہرست ہے۔ ورنہ امت میں تمام دینی جماعتیں جدا جدا مکاتب فکر اور فقہی مسالک کی اسیر ہیں۔

۳۔ جب اسلام تمام شعبہ ہائے زندگی پر محیط ہمہ گیر نظام حیات کی حیثیت سے کرۂ ارض میں پھیل گیا' تو کئی وجوہات کی بنا پر اس کے اندر علمی وسعت پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ اس میں مفسرین ' محدثین ' فقہا ' متکلمین ' صوفیا ' فلاسفر ' سائنس دان وغیرہ مختلف قسم کے طبقات پیدا ہو گئے ' اور یہ خاصیت ہر زندہ اور نافذ العمل نظریے میں پیدا ہوتی ہے۔ ان طبقات میں سے ہر طبقے کے ارکان ' باقی دیگر طبقات سے نمایاں اختلافات رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے ہی طبقے کے بہت سارے دیگر ارکان سے بھی واضح اختلاف رائے رکھتے تھے۔ یہ نظریات کا تنوع اور اختلاف آرا در حقیقت مجال تحقیق میں آزادی کا لازمی نتیجہ تھا' جو ہر ترقی پذیر معاشرے کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے۔ ان سب کی کوششوں سے تیار شدہ علمی ذخیرہ امت مسلمہ کے لیے آج سب سے بڑا سرمایۂ افتخار ہے۔

۴۔ انسانی دنیا میں شدید اختلافات عموماً سیاست کے راستے سے آئے ہیں۔ شاید اس لیے کہ اختلافات اجتماعی زندگی کے دائرے میں پیدا ہو سکتے ہیں ' اور سیاست کا دائرہ کار اسی اجتماعی زندگی پر محیط ہے۔ البتہ کسی دینی معاشرے میں دین سے جدا شدہ چنگیزی سیاست بھی اپنے دفاع کے لیے دینی حصار میں پناہ لینے پر مجبور ہوتی ہے ' اور یہیں سے ہتھیار حاصل کر کے اپنی جنگ جاری رکھ سکتی ہے۔ تاہم کاروبار سیاست بذات خود تغیر پذیر اقدار پر قائم اور احوال و ظروف کا تابع ہے۔ اس لیے حالات بدلنے کے ساتھ سیاسی رویوں میں تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے۔ وقتی طور پر ایک دوسرے کے خلاف استعمال شدہ اشتعال انگیز دلائل ' علمی ذخیرے کا حصہ بن کر تاریخ کے ریکارڈ میں ٹھوس شکل میں محفوظ رہتے ہیں ' جو

رفتہ رفتہ اعتقادات کے بارود خانے میں آتش گیر مواد کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اہل سیاست اس مواد کے خواص اور اس کے استعمال سے واقف ہوتے ہیں' کیونکہ یہ مواد انھی کے کارخانوں کی مصنوعات پر مشتمل ہوتا ہے۔ آج کی دنیا اور خصوصاً پاکستان میں ' دین کے نام پر کام کرنے والی جماعتوں میں تقسیم در تقسیم کا عمل اور ان کے مابین موجود تعصب میں شدت میدان سیاست پر قابض بااختیار سیکولر عناصر کے اسی پرانے حیلہ پرویزی کا تباہ کن نتیجہ ہے۔ مولانا شبلی نعمانی کی الکلام اور علم الکلام میں اس پر عمدہ بحث کی گئی ہے۔

۵۔ اس وقت پوری دنیا میں امت مسلمہ ایک انتہائی انتشار' فرقہ بندی' تحزب و تشتت کی کیفیت سے دوچار ہے۔ امت کو اس مشکل سے نکالنے کے لیے کسی ایسی عالمگیر تحریک کی انتہائی ضرورت ہے جس کے اندر عالم اسلام میں موجود تمام مسالک و مذاہب اور فرقوں اور مکاتب کو ساتھ ملا کر چلانے کی صلاحیت موجود ہو۔ یہی نصب العین اور ہدف جماعت اسلامی کے پیش نظر ہے۔ اور خدا کے فضل سے جماعت پرامید بھی ہے کہ اس جماعت کے اندر امم اسلامیہ کو دوبارہ ایک امت مسلمہ میں تبدیل کرنے کی بہتر صلاحیت موجود ہے۔

۶۔ استفتا میں پوچھے گئے بہت سے سوالات ایسے ہیں جن کے جواب میں فقہاء و علما کی آرا مختلف ہیں۔ لہٰذا آپ کو جو بھی جواب مل جائے اس کو کسی اہل علم کی اپنے مسلک کے مطابق تحقیق سمجھ لیں اور اسی حیثیت سے اس پر عمل کریں۔ انسانی اجتہاد کو عین اور واحد منشائے الٰہی نہ قرار دیں' نہ دوسری آرا پر گمراہی کا فتویٰ لگائیں۔ اس کو جماعت اسلامی کا فقہی مسلک قرار نہ دیں۔ جماعت میں اہل حدیث' اہل الرائے' دیوبندی' بریلوی اور دنیا کے بعض حصوں میں شوافع' حنابلہ اور مالکیہ بھی ملیں گے۔ ماضی میں اہل تشیع کی ایک تعداد جماعت میں رہی ہے' اور خدا کرے کہ اب بھی ہوں۔

۷۔ تزہد و تقشف کے میدان میں آکر بعض اوقات آدمی اپنے تقدس کے غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ خلق خدا کو بددین' بدعقیدہ اور بے عمل قرار دے کر اپنے سے فروتر سمجھنے کی غلطی کر بیٹھتا ہے۔ پھر خوب سے خوب تر کی جستجو میں بہت آگے نکل کر مثالیت پرستی کے ذہنی مرض تک جا پہنچتا ہے۔ نتیجتاً مصلح سے نقاد بن جاتا ہے' اور اس کی تمام تر صلاحیتیں کسی مثبت اصلاحی مد میں صرف ہونے کے بجائے منفی جدوجہد کے میدان میں ضائع ہو جاتی ہیں اور پھر بھی وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا۔ ہماری تاریخ میں خوارج کا فرقہ اس مثالیت پرستی کے تلخ نتائج کی ایک واضح مثال ہے۔ اس موضوع پر شیخ ابن الجوزی کی تلبیس ابلیس کے مطالعے سے کافی رہنمائی مل سکتی ہے۔